ناصر بشیر
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ دیال سنگھ گریجوئیٹ کالج، لاہور
اسکالر پی ایچ ڈی، شعبہ اردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر ہارون قادر
ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو،لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور

حجاب امتیاز علی کی روزنامچہ نگاری

Nasir Bashir
Associate Professor (Urdu), Government Dyal Singh Graduate College Lahore.
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Lahore Garirison University, Lahore.
Dr. Haroon Qadir
Associate Professor Urdu, Lahore Garrison University Lahor.

The Diary Writing of Hijab Imtiaz Ali

Hijab Imtiaz Ali is a well-known figure in Urdu literature's fiction genre. Her most well-known works are novels and short stories, but her non-fiction writing, which includes essays, travelogues, letters, diaries, and beautiful prose, is equally captivating. Only a segment of this collection was published in 2006 under the title "Hijab Kitaab" from Lahore city; her letters have not yet been collected into a book. Her character and the period are accurately reflected in these letters. Letters typically reflect a person's private life and experiences. These letters give us a glimpse into the writers' social relationships as well as her society and the times she lived in. These letters have a straightforward and aesthetically pleasing style. The spotlight she gives to her novels and short stories is absent from her letters.

Key Words: *Hijab Imtiaz Ali, Urdu literature, Novels, Short Stories, Travelogues, Letters, Diaries, Prose, Hijab Kitab.*

حجاب امتیاز علی کے لکھے ہوئے روزنامچوں کے دو مجموعے چھپے۔ایک "موم بتی کے سامنے" اور دوسرا "لیل و نہار" ان کا پہلا مجموعہ "موم بتی کے سامنے" پہلی بار آئینہ ادب لاہور نے ۱۹۶۷ء میں چھاپا تھا۔اس کے بعد یہ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے چھاپا۔سنگِ میل پبلی کیشنز نے یہ کتاب پہلے الگ کتاب کی صورت میں چھاپی بعد میں اسے

نثرِ لطیف کے مجموعے "صنوبر کے سائے" میں شامل کر کے چھاپا۔ یہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو شروع ہو کر ۲۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ختم ہونے والی پاک بھارت جنگ کے دنوں کا روزنامچہ ہے۔ اس کا دیباچہ حجاب کے شوہر امتیاز علی تاج نے لکھا۔ یہ وہ جنگ ہے جس نے سارے پاکستان میں حب الوطنی کی روح پھونک دی تھی۔ سارا پاکستان متعصب اور بے اصول دشمن بھارت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اپنی بہادر فوج کے شانہ بشانہ دشمن کے دانت کھٹے کرنے کے لیے برسرِ محاذ ڈٹ گیا تھا۔ اس جنگ میں جہاں ہماری فوج نے دلیری، جرأت اور عزم و استحکام کی مثالیں قائم کیں، وہاں ہمارے ادیبوں شاعروں نے بھی اپنے محاذ پر خوب کام کیا۔ شاعروں نے قومی اور جنگی نغمے لکھ کر بہادر سپاہیوں کا خون گرمایا اور ہمارے گلوکاروں اور گلوکاراؤں نے ان نغموں کو اپنی آواز کا حسن، سوز اور درد عطا کر کے محاذوں پر ڈٹے ہوئے بہادروں کو گرمایا۔ ریڈیو پاکستان لاہور کا شعبۂ موسیقی بجائے خود ایک محاذِ جنگ بنا ہوا تھا۔ گلوکار، موسیقار اور شاعر ہر وقت موجود رہتے تھے تاکہ وطن کے لیے اپنے حصے کا کام کر سکیں۔ نثر نگاروں نے جنگ کے حوالے سے افسانے اور مضامین لکھے۔ صحافیوں نے اخبارات کے صفحات میں خون گرما دینے والی تحریریں چھاپیں۔

حجاب امتیاز علی بھی جنگ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ وہ اگرچہ فطرت کی گود میں پلی تھیں اس لیے اُن کا اشہبِ قلم فطرت کے میدان میں خوب دوڑتا تھا لیکن وہ ایک رومانی ادیبہ تھیں۔ رومانی ادیب، بہادروں، شہ سواروں اور جاں نثاروں کے قصے بیان کر کے یک گونہ تسکین محسوس کرتے ہیں۔ سو حجاب کو بھی اپنے ملک کی بہادر فوج پر پیار آیا۔ وطن سے محبت کا جذبہ جاگا اور انھوں نے ۶ ستمبر کو جنگ شروع ہوتے ہی روزنامچہ لکھنا شروع کیا۔ ایسا نہیں کہ یہ ان کا پہلا روزنامچہ تھا۔ وہ عالمِ جوانی ہی میں روزنامچہ لکھنے لگی تھیں۔ بیسویں صدی کی پانچویں دہائی کے شروع میں انھوں نے روزنامچہ نگاری شروع کر دی تھی۔ ان کے یہ روزنامچے محمدی بیگم اور امتیاز علی تاج کی ادارت میں چھپنے والے رسالے "تہذیب النسواں" میں چھپتے رہے۔ وہ چونکہ اسی زمانے میں ایک ادیبہ کے طور پر مشہور ہو چکی تھیں، اس لیے ان کے روزنامچوں کو نہایت دلچسپی سے پڑھا گیا۔ سبب اس کا یہ تھا قارئین ان کے ذریعے اپنی محبوب ادیبہ کی پراسرار شخصیت پر پڑے ہوئے پردے اترتے ہوئے محسوس کر رہے تھے۔ ان کے یہ روزنامچے بعد میں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے "لیل و نہار" کے نام سے کتابی صورت میں چھاپے۔ یوں اولیت ان روزنامچوں کو حاصل ہے لیکن چونکہ یہ "موم بتی کے سامنے" کے بعد چھپے اس لیے انھیں ثانوی حیثیت حاصل ہو گئی۔

حجاب امتیاز علی کا جنگ کے دنوں کا روزنامچہ جہاں خود ان کے سارے تخلیقی کام میں الگ تھلگ، جداگانہ اور منفرد ہے وہاں یہ ادبی دنیا میں بھی ایک نیا کام ہے۔ روزنامچے کی کسی حد تک متعین ہیٔت میں لکھا گیا یہ پہلا روزنامچہ

ہے۔ اردو میں جنگ ستمبر کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا لیکن "موم بتی کے سامنے" جیسا روزنامچہ کسی نے نہیں لکھا۔ گویا کہا جا سکتا ہے کہ اردو ادب میں جنگ کے دنوں کا یہ پہلا روزنامچہ ہے اور ممکن ہے کہ آخری بھی ہو کیونکہ اب طویل روایتی جنگوں کا زمانہ چلا گیا ہے۔ ایسی جنگ ہو گی نہ ایسا روزنامچہ لکھا جائے گا۔

جنگ کے دنوں میں مکمل بلیک آؤٹ ہوتا تھا۔ دشمن کے بمبار طیاروں کو اندھیرے میں رکھنے کے لیے گھروں، دفتروں اور کارخانوں کی ساری بتیاں بجھا دی جاتی تھیں اس لیے حجاب کی رومان پسند اور شاعرانہ طبیعت انھیں گھر کے ایک کونے میں لے جاتی، جہاں حجاب موم بتی جلاتیں اور روزنامچہ لکھنے بیٹھ جاتیں۔ اسی لیے اسے انھوں نے "موم بتی کے سامنے" کا عنوان دیا ہے۔

امتیاز علی تاج لکھتے ہیں:

> "۱۹۶۵ء کی جنگِ ہندوپاکستان کے زمانے میں ہر روز رات کو بلیک آؤٹ کی جملہ ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے باعث حجاب کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اپنی دیرینہ عادت کے مطابق سونے سے پہلے اپنا روزنامچہ لکھیں تو موم بتی روشن کریں۔ اس مجبوری نے جنگ کے سترہ دنوں کے اس روزنامچے کو "موم بتی کے سامنے" کا بہت موزوں، دلچسپ اور لطیف نام بخش دیا۔ بلیک آؤٹ کی اندھیری راتوں میں جب سائرن کئی کئی بار دشمن کے ہوائی جہازوں کی آمد کی اطلاع پہنچاتے رہتے تھے، کسی خاتون کا موم بتی کے سامنے بیٹھ کر باقاعدگی سے اپنا روزنامچہ لکھتے رہنا بڑی ہمت اور حوصلے کا کام تھا۔ یہ روزنامچہ ہر روز لکھا میرے سامنے جاتا تھا لیکن اسے پڑھنے کا موقع مجھے کبھی نہ ملا تھا۔"(۱)

جنگ کا یہ منفرد روزنامچہ کتابی صورت میں چھپنے سے پہلے اس زمانے کے موقر ادبی جریدے "نقوش" میں چھپا جس کے مدیر محمد طفیل تھے۔ محمد طفیل نے جنگ ختم ہونے کے بعد تمام ادیبوں کو خطوط لکھے جن میں ان سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ سب ان کے جریدے کی قلمی اعانت کریں۔ سو حجاب نے اپنا یہ روزنامچہ اپنے شوہر امتیاز علی تاج کو دکھایا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ یہ اپنی نوعیت کی ایک منفرد تخلیق ہے، اس لیے یہ "نقوش" میں چھپنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ امتیاز علی تاج نے یہ قصہ یوں بیان کیا ہے:

"جنگ ختم ہونے کے بعد مدیرِ نقوش نے حجاب کو خط میں لکھا کہ ہندوستان کے جو ادیب ان کے رسالے کے قلمی معاون تھے ان کے لیے جنگ کے بعد "نقوش" سے کم از کم کچھ عرصے کے لیے قلمی اعانت کرنی چاہیے۔ مدیر 'نقوش' کو مضمون کی جلد ضرورت تھی چنانچہ حجاب کو ان کی فرمائش مقررہ وقت میں پوری کرنے کا خیال آیا کہ کیوں نہ اپنا جنگ کے دنوں کا روزنامچہ 'نقوش' کے لیے بھیج دیں۔

اسے نقل کر کے انھوں نے مجھے پڑھنے کے لیے دیا تو مجھے اس درجہ دلچسپ معلوم ہوا کہ میں اسے ختم کیے بغیر کسی طرح ہاتھ سے نہ رکھ سکا۔ اس روزنامچہ کی بے ساختگی اور روانی میں حجاب کے البیلے انداز نے ایسی دلآویزی اور گرفت پیدا کر دی ہے کہ جو بھی اسے پڑھے گا میری رائے سے اتفاق کرے گا۔ اس کتاب کی طباعت کے بعض مراحل میں رسائل چھپا ہوا روزنامچہ جب بھی میری نظر سے گزرا میں پھر اسے پڑھتا چلا گیا اور ختم کرنے سے پہلے اپنی کسی دوسری مصروفیت کی طرف توجہ نہ کر سکا۔ اس روزنامچے کے متعلق اسی رائے کا اظہار ان خواتین و حضرات نے خطوط میں اور زبانی کیا جنھوں نے یہ روزنامچہ 'نقوش' میں پڑھا۔"(۲)

ادبی جریدے "ساقی" کے مدیر شاہد احمد دہلوی نے یہ روزنامچہ "نقوش" میں پڑھا تو انھیں بھی یہ بہت پسند آیا۔ وہ ان دنوں "ساقی" کا جنگ نمبر مرتب کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ہر چند کہ یہ "نقوش" میں چھپ چکا تھا لیکن اس کے باوجود انھوں نے یہ روزنامچہ "ساقی" کے جنگ نمبر میں شامل کیا۔ وہ "ساقی" کا اداریہ "نگاہِ اوّلیں" کے نام سے لکھتے تھے۔ جب "ساقی" کے جنگ نمبر میں یہ روزنامچہ چھپا تو اس کے بارے میں شاہد احمد دہلوی نے لکھا:

"محترمہ حجاب امتیاز علی صاحبہ نے جنگ کے زمانے میں جو روزنامچہ لکھا تھا اس میں لاہور کی پوری روداد دلچسپ پیرائے میں آگئی ہے۔ ان کے منفرد اندازِ بیان نے اس روداد میں افسانوی دلکشی پیدا کر دی ہے۔ یہ روزنامچہ روزانہ رات کو موم بتی کی روشنی میں لکھا گیا ہے مکمل بلیک آؤٹ میں جب دشمن کے طیارے بمباری کے لئے سر پر منڈلاتے رہے ہوں مستقل مزاجی سے کوئی یادگار چیز لکھ لینا بڑی دلیری کا کارنامہ ہے۔"(۳)

دو مشہور ادبی جریدوں میں چھپنے کے بعد ۱۹۶۷ء میں یہ روزنامچہ لاہور کے طباعتی و اشاعتی ادارے " آئینہ ادب " نے کتاب کی صورت میں چھاپا۔ یوں یہ تاریخی دستاویز ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔ ادبی رسالوں کے جنگ نمبر زیادہ وقت گزر جانے کے بعد تلاش کرنا مشکل ہوتے ہیں شاید اسی سوچ کے پیشِ نظر اسے اسی زمانے میں کتابی صورت میں چھاپ دیا گیا تھا۔ اس کی کتابی صورت میں طباعت کے بارے میں امتیاز علی تاج نے لکھا ہے:

> "ادارہ آئینہ ادب کے مہتم جناب عبد السلام صاحب نے اس روزنامچے کو پڑھا تو مصنفہ کو توجہ دلائی کہ ۱۹۶۵ء کی ہندوپاکستان کی جنگ کے متعلق جو ادب پیدا ہوا، اس میں یہ روزنامچہ کئی اعتبار سے ایک تو اہم دستاویزی مقام رکھتا ہے۔ دوسرے اس لحاظ سے بھی وقیع ہے کہ اصنافِ ادب میں سے روزنامچہ کی صنف اردو میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ چنانچہ اسے کتابی صورت میں شائع ہو کر جنگ کے یادگار ادب میں شامل اور محفوظ ہو جانا چاہیئے تاکہ اس کا تذکرہ سن کر پڑھنے والوں کو اسے حاصل کرنے کے لیے رسائل کے جنگ نمبروں کی تلاش نہ کرنی پڑے۔" (۴)

آئینہ ادب کے مہتم جناب عبد السلام نے درست فیصلہ کیا تھا۔ انھوں نے یہ روزنامچہ کتابی صورت میں چھاپ کر محفوظ کر دیا۔ یہ روزنامچہ ایک نادر اور نایاب شے ضرور ہے لیکن کتابی صورت میں یہ عام مل جاتا ہے۔

"موم بتی کے سامنے"

"موم بتی کے سامنے" میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کے سترہ دنوں کا احوال لکھا گیا ہے۔ سترہ دنوں کا احاطہ ۲۳×۳۶ سائز کے ستر صفحات میں کیا گیا ہے۔ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء سے ۲۲ ستمبر ۱۹۶۵ء تک مکمل روزنامچہ لکھا گیا ہے۔ عام طور پر روزنامچہ نگار کسی روز کچھ بھی نہیں لکھتا لیکن حجاب، جنگ کے دنوں میں اتنی سرشار اور جذباتی تھیں کہ بلیک آؤٹ کے باوجود انھوں نے یہ روزنامچہ کسی ناغے کے بغیر مسلسل لکھا۔ ایک اچھے روزنامچے کی طرح یہ تاریخ وار ہے۔ یوں یہ جنگ کے سترہ دنوں کی مکمل تاریخ بن گیا ہے۔ حتیٰ کہ اس میں انھوں نے بعض تاریخی حقائق بھی درج کر دیے ہیں۔ میجر عزیز بھٹی کی شہادت کا واقعہ بھی انھوں نے بیان کیا ہے۔ ایک رومانی ادیب بھلا بہادری، شجاعت اور جاں نثاری کے اس اہم واقعے سے کس طرح نظر چرا سکتا ہے۔ انھوں نے میجر عزیز بھٹی کی شہادت کو بھی رومان کی طرح پیش کیا ہے۔

حجاب امتیاز علی لکھتی ہیں:

"وہ نشانِ حیدر پانے والا پاکستان کا جیالا جاں نثار جو دشمن کی لاکھوں کی تعداد کی فوج کے آگے حفاظتی دیوار بن کے کھڑا ہو گیا۔ میجر عزیز بھٹی جو پرسوں لاہور کے محاذ پر شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے حب الوطنی اور شجاعت کی ایک داستان چھوڑ گئے۔ ان کے خاندان کے سارے رکن قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی مثال ہیں۔ جب ان کی شہادت کی خبر، ان کے ضعیف والدین، کم سن بچوں اور ان کی جوان بیوہ کو ملی تو انھوں نے اس سپاہی کے جامِ شہادت پینے پر سکون و صبر اور فخر کا اظہار کیا۔ ان کی ساس نے کہا کہ میرے داماد نے شہید ہو کر سینکڑوں پاکستانی عورتوں کا سہاگ قائم رکھا۔ فوجی اعزاز کا سب سے اعلیٰ تمغہ پانے والے شہید میجر عزیز بھٹی نے ہفتہ بھر بھوکا پیاسا رہ کر پاکستان کی حفاظت کی، انھیں بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی مجبوری نہ تھی مگر ان کا کہنا تھا کہ چھ ستمبر سے گیارہ ستمبر تک انھیں کسی بات پر ہوش نہ تھا نہ فرصت۔ ان کی بس ایک ہی تمنا تھی کہ دشمن کو پسپا کر دیا جائے۔ بھارت نے جب اعلانِ جنگ کیے بغیر چھ ستمبر کو پاکستان کے قلب یعنی لاہور پر حملہ کیا۔ میجر عزیز بھٹی لاہور کے محاذ پر برکے کے علاقے میں پنجاب رجمنٹ کی ایک کمپنی کی کمان کر رہے تھے۔ ان کی دو پلٹنیں بیدیاں نہر سے چھ سو گز کے فاصلے پر تھیں لیکن انھوں نے دلی جذبے سے مجبور ہو کر اپنی کمپنی کی قیادت خود کرنے کے لیے برکی میں اگلی پلٹن کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ دشمن نے اچانک ایک ڈویژن فوج، توپ خانہ اور لاتعداد ٹینکوں کی مدد سے مسلسل حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اس محاذ پر دشمن نے چھ مرتبہ بھرپور حملے کیے لیکن ہر مرتبہ ہمارے جیالے جوانوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ میجر عزیز بھٹی اپنی جان کی پروانہ کرتے ہوئے سب سے آگے لڑنے والے دستوں کے ساتھ ساتھ رہے اور دشمن کے چھکے چھڑا دیے۔ دس اور گیارہ ستمبر کی قیامت خیز رات کو دشمن نے پورے سیکٹر پر پھر زبردست حملہ کیا اور جب برکی کے گرد حلقہ تنگ کر لیا اور نہر کے پتن کے قریب پہنچ گیا تو میجر بھٹی مٹھی بھر جوانوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے نہر کے پتن کی طرف پہنچے۔ انھوں نے دو دستوں کی صفیں درست کیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ان

کا جذبہ، ان کی ہمت اور ان کا حملہ اتنا زبردست تھا کہ ہزاروں کی تعداد کی دشمنوں کی فوج عش عش کرتی ہوئی بھاگ نکلی۔ شیر دل میجر بھی تنہا دشمن کی فوج پر اس وقت تک مسلسل فائرنگ کرتے رہے جب تک ان کی کمپنی کا ایک ایک سپاہی اور ایک ایک جوان دوسرے کنارے تک نہیں پہنچ گیا۔ وہ بار بار صفیں درست کرتے اور ہر مرتبہ اس بے جگری سے دشمن کی فوج پر ٹوٹ کر گرتے کہ دشمن کے ہوش اُڑ گئے۔ اس موقع پر انیسؔ کا ایک مصرع مجھے بار بار یاد آتا ہے۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

اس سارے کارنامے میں ان کے پاس صرف ایک سٹین گن تھی۔ مگر مسلمان سپاہی کبھی ہتھیاروں کا محتاج نہیں ہوتا۔ ہتھیاروں کے انبار تو بھارتی فوج کے پاس لگے ہوئے ہیں۔ بغیر جذبے کے ہتھیار بچوں کا کھلونا بن کر رہ جاتے ہیں۔ ۱۲ ستمبر کو پاکستان کا یہ مایۂ ناز بہادر سپاہی دشمن کی ہزاروں کی تعداد میں پیدل فوج اور لاتعداد ٹینکوں اور توپوں کے گولوں کی برسات کا مقابلہ کر رہا تھا کہ ایک گولہ دائیں کندھے پر آ گرا اور نشانِ حیدر پانے والا شہید ہو گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے اور اس بات کی کئی اور جگہ سے تصدیق ہو چکی ہے کہ ہماری فوج کا ہر جوان خواہ وہ ہوا باز ہو، یا میدانی یا بحری سپاہی۔۔۔ عزیز بھٹی ہے۔

میری موم بتی بجھتی جا رہی ہے مگر میرے قلم میں سیاہی بھری ہوئی ہے۔ کس بم کے آ گرنے یا موم بتی کے بجھنے سے پیشتر میں اتنا کہنا چاہتی ہوں۔ پاکستان کے شیر دل مجاہدو! ہم پاکستان کی عورتیں۔۔۔ جن کی عزت و ناموس کے تم محافظ ہو، تمھاری خدمت میں یہ ہدیۂ سلام بھیجتی ہیں۔۔۔ پاک افواج! زندہ باد۔" (۵)

اس جنگ نے دراصل حجاب امتیاز علی کے جذبۂ حب الوطنی کو بھی جگا دیا تھا۔ اس سے قبل ان کی کسی تحریر میں اپنے وطن کی محبت اس طرح جاگزیں نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ ایک سچ ہے کہ وہ جنوبی ہند کے علاقے میں پیدا ہوئیں۔ ہیں پلی بڑھیں۔ جوان ہوئیں۔ سنِ شعور تک پہنچیں۔ شادی کے بعد وہ پنجاب کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کے اس روزنامچے سے کسی بھی جگہ اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ اپنے متروک وطن کی محبت میں گرفتار ہیں۔ حالانکہ

ایک رومانی ادیبہ ہونے کے ناطے اگر وہ اپنے متروک وطن کو یاد بھی کرتیں تو اسے ان کی رومانیت پر محمول کیا جاتا لیکن انھوں نے ثابت کیا کہ انھیں اپنے وطن سے محبت تھی۔ وطن کے جوانوں سے بھی انھیں محبت تھی جو محاذِ جنگ پر دشمن کے حملے روک رہے تھے۔ وہ صرف میجر عزیز بھٹی جیسے جاں نثاروں کی محبت میں گرفتار نہ تھیں بلکہ اس زمانے میں پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کی شخصیت سے بھی وہ بے حد متاثر تھیں۔ اس روزنامچے میں انھوں نے محمد ایوب خان کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ وہ ایک رومانی ادیبہ ہونے کے باعث ان کی دبنگ شخصیت، پر رعب آواز اور دبدبے سے متاثر نظر آتی ہیں۔ بھارت نے شب خون مارا تو محمد ایوب خان نے قوم سے جو خطاب کیا تھا اس نے جہاں بہادر فوج اور پاکستانیوں کا خون گرمایا تھا وہاں اس نے حجاب امتیاز علی کے خون کی گردش بھی تیز کر دی تھی۔ انھوں نے اپنا روزنامچہ کتابی شکل میں چھاپا تو دیباچے کے بعد ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ بطورِ خاص درج کیے۔

> "میرے عزیز ہم وطنو! اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے ہم دشمن کی ان توپوں کو خاموش کر چکے ہیں جنہوں نے ہمارے وطن پر آگ برسانے کی جسارت کی تھی۔ آج ہر پاکستانی گھر میں قومی خدمت اور جوش و خروش کی شمع روشن ہے۔ اس کی روشنی سے وہ راستے جگمگا اٹھے ہیں جن پر پاکستانی عوام فرض کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھنے کو تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ایمان و اتحاد کی طاقتوں سے سرفراز کیا۔
>
> اسی ایمان اور اتحاد نے ہماری زندگی کو ایک نئی روح عطا کی ہے جس جدوجہد کا ہمیں سامنا کرنا وہ ایک طویل جدوجہد ہے لیکن اللہ کی طرف سے آپ کو جو قوتِ ایمانی ملی ہوئی ہے وہی آپ کو اس جدوجہد میں کامیاب و بامراد بنانے کے لئے ہر طرح کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین! پاکستان پائندہ باد"[۶]

یہی نہیں، انھوں نے مزید کئی مقامات پر ایوب خان کا ذکر کیا ہے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کے لہجے میں وہ وارفتگی آجاتی ہے جو کسی عاشق کے ہاں ہی دیکھی جا سکتی ہے۔ بے اصول اور متعصب دشمن بھارت کی جارحیت کا ذکر وہ واشگاف انداز میں کرتی ہیں۔

حجاب امتیاز علی لکھتی ہیں:

"پاکستان اور بھارت میں آج علی الصبح جنگ اچانک چھڑ گئی۔ ہم پاکستانی عوام نصف دن گزرنے تک بھارت کے اس اچانک حملے سے بے خبر رہے۔ ہر چند کہ جنگ کا خطرہ مسئلہ کشمیر کی وجہ سے دونوں ملکوں کو آج سے سترہ سال سے تھا۔ مگر ساری دنیا کا اور ہمارا اپنا خیال تھا کہ یہ جنگ اگر چھڑی تو دونوں ملکوں کی طرف سے باقاعدہ اعلانِ جنگ کے بعد چھڑے گی۔ لیکن بین الاقوامی اصول کے خلاف بھارتی فوج آج پچھلے پہر کے اندھیرے میں اپنے بھاری توپ خانے، سینکڑوں ٹینک اور بہت سے لڑاکا طیاروں کو لے کر ہماری مقدس سرحدوں میں چوروں طرح دبے پیروں اچانک گھس آئی۔ یہ حملہ اس نے لاہور پر بیک وقت تین طرف سے کیا اور اس کی فوجیں واہگہ، جسّر اور بیدیاں کے پاکستانی علاقوں میں داخل ہو گئیں۔ بھارت کی یہ غیر اصولی حرکت ساری اصول پرست دنیا میں معیوب سمجھی جائے گی مگر بھارت کو یاد رکھنا چاہیے کہ پاکستان شیروں کا ملک ہے۔ مغربی پاکستان ہو یا مشرقی پاکستان، یہاں شیر بستے ہیں۔ چنانچہ پاکستان کی برّی اور فضائی فوجیں چشم زدن میں تیار ہو گئیں اور موقع پر پہنچ کر دشمن کی لاتعداد فوجوں کو اپنی قومی روایات اور ذاتی شجاعت اور جذبے کے تحت پیچھے دھکیل دیا اور اب دندناتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ اس بے اعلان کی جنگ میں آج پچھلے پہر کے اندھیرے میں جس بے جگری اور خود اعتمادی سے اپنے مٹھی بھر بہادروں نے دشمن کی اتنی بڑی فوج کو بھگا کر اپنی سرحدوں کی حفاظت کی ہے اس کی مثال اگر مل سکتی ہے تو تاریخ اسلام ہی میں مل سکے گی۔"(۷)

حجاب امتیاز علی جنگ کے آداب سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ جہاں وہ یہ جانتی ہیں کہ عالمی اداروں کے طے شدہ اصولوں کے تحت جب کوئی ملک کسی ملک پر حملہ کرتا ہے تو پہلے خبردار کرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتی ہیں کہ جنگ کی صورت میں عام شہریوں کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا احتیاطی تدابیر کرنا چاہئیں کہ ہمارا کم سے کم نقصان ہو۔ وہ اس جنگ کو ایک باشعور شہری کی طرح دیکھتیں رہیں اور اس کے بارے میں لکھتی رہیں۔ اس ضمن میں ان کے روزنامچے سے ایک اقتباس دیکھیے:

"پچھلے پہر کے وقت کوئی ۴ بجے تھے کہ یاسمین نے دفعتاً مجھے آواز دی: "اٹھیے اٹھیے! نہ جانے کیا بات ہے کہ نیچے باغ میں نوکر غل مچا رہے ہیں اور سڑک پر پولیس کے سپاہی غل مچا رہے ہیں کہ ساری روشنیاں فوراً گُل کر دیجیے، خطرہ ہے۔" میری کوٹھی سے ملی ہوئی کوٹھی صوبائی وزیرِ خزانہ مسعود صادق صاحب کی ہے، ان کے بندوقچی نے بھی چلانا شروع کر دیا۔ "روشنی بجھایئے خطرہ ہے۔" اس فقرے کا مطلب میں بالکل نہ سمجھ سکی کہ روشنیاں آخر کیوں بجھائی جا رہی ہیں اور خطرہ کس نوعیت کا ہے۔ کیا نوکروں نے کوئی خوابِ پریشاں دیکھا ہے؟ لیکن ان کے اس خواب پریشاں کی تعبیر ہمیں دن کے گیارہ بجے تک نہ معلوم ہو سکی۔ کیونکہ اس وقت تک زندہ دلانِ لاہور زندگی کی دلچسپیوں میں اپنی روایتی شہر کے مطابق مگن تھے۔"(۸)

جنگ کے دنوں میں ایک باشعور شہری کو کس قسم کا رویہ اپنانا چاہیے؟ اس کا جواب حجاب امتیاز علی نے یوں دیا ہے:

"اس وقت سارے ملک میں مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ ابھی ابھی میں اوپر کی منزل میں گئی تاکہ سڑکوں کا نظارہ کروں اور اگر کہیں روشنی کی لَو بھی نظر آ جائے تو فون کر کے اسے بجھوادوں۔ مگر کسی پاکستانی گھر کی کسی کھڑکی میں سے بھی روشنی کی کوئی لَو نظر نہیں آئی۔ بچے بچے کو گھنٹوں میں اس بات کا احساس ہو گیا ہے کہ جب اپنے ملک اور اپنے شہر میں جنگ چِھڑ جائے تو اس کے کیا آداب و احکام ہوتے ہیں۔" (۹)

ہر ادیب کی طرح حجاب امتیاز علی بھی جنگ کے بجائے امن اور محبت کرتی تھیں۔ انھوں نے اپنے روزنامچے میں جنگ کا قلق یوں بیان کیا ہے۔

"امتیاز بیٹھے اعلانات سن رہے ہیں۔ میرے سامنے موم بتی اور ہاتھ میں قلم ہے۔ ساری زندگی قلم پکڑے گزر گئی ہے۔ اسی قلم نے امن کے دنوں میں بہاروں کی تصویر کشی کی ہے۔ بنی نوع انسان کی محبت کی داستانیں لکھی ہیں۔ انسان سے انسان کے پیار اور امن و آشتی کی کہانیاں نقشِ قرطاس کی ہیں۔ کیا اب اسی قلم سے میدانِ جنگ کی

دہشت خیزی اور خونریزی اور انسان کی انسان دشمنی کی خوفناک حقیقتیں لکھی جائیں گی؟"(۱۰)

دیکھا جائے تو حجاب امتیاز علی کا یہ روزنامچہ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ انھوں نے اس میں جابجا جہاں اپنے ذاتی مشاہدات، تجربات اور خیالات بیان کیے ہیں وہاں پوری پاکستانی قوم کے جذبات کی ترجمانی بھی کی ہے۔ اسے ان کے اس روزنامچے کی انفرادیت ہی کہا جانا چاہیے۔ اپنے اور قوم کے جذبات کی ترجمانی کے لیے انھوں نے اپنے پسندیدہ شاعر علامہ اقبالؒ کے بہت سے شعر اور مصرعے بھی اس روزنامچے میں درج کیے ہیں۔ کچھ دیگر شاعروں کے اشعار اور مصرعے بھی انھوں نے ان کے نام لکھے بغیر درج کیے ہیں۔

یہ سرحدوں ہی پہ دشمن کو روک دیتے ہیں
نظر اٹھا کے بھی دیکھے تو ٹوک دیتے ہیں
زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائیں گے دن
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
اس قوم کا بیڑا ہی ہوا غرق
تو ہی کہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے
کاٹ کر رکھ دیے، کفار کے لشکر کس نے
زندہ رہے گا، زندہ رہے گا
سیالکوٹ تو زندہ رہے گا
خطۂ لاہور! تیرے جاں نثاروں کو سلام
سلام سلام! پاک فوج کو سلام
لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو
جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عمل و دیں ہم نے
اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیّاد
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
اے شہیدانِ وطن تم پر سلام
تم نے روشن کر دیا، ملّت کا نام[11]

جنگ عام طور پر انسانی ذہنوں پر نہایت منفی اثرات مرتب کرتی ہیں لیکن یہ پاک بھارت جنگ ایسے جذبے سے لڑی گئی کہ ساری پاکستانی قوم کے جذبات ہی بدل گئے۔ آپس کے اختلافات دم توڑ گئے تھے۔ معاشرتی خرابیاں معدوم ہو گئی تھیں۔ قوم صحیح معنوں میں قوم بن گئی تھی۔ حجاب امتیاز علی لکھتی ہیں:

"پاکستانی وہ عظیم قوم ہے کہ جس کے مجرم قیدی بھی دورانِ جنگ میں ایک سچے پاکستانی بن کر قوم کی صف میں آ کھڑے ہوئے۔ اس کی مثال کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ شہری انتظامی کمیٹی کے لوگ سخت فکر مند تھے کیونکہ جنگی قیدیوں کی تعداد بڑھ رہی تھی اور ان کے لیے جگہ کی ضرورت تھی۔ فکر اس بات کا تھا کہ ہمارے جیل کے پرانے قیدیوں کو حفاظتی انتظام کے بغیر دوسری جگہ کس طرح منتقل کیا جائے تاکہ دشمن کے قیدیوں کے لیے جگہ نکالی جائے۔ جب ہمارے مجرم قیدیوں نے اپنے محکمے کی یہ تشویش دیکھی تو مجرموں نے افسروں کو یک زبان ہو کر یقین دلایا کہ آپ ہماری حفاظت کے لیے فکر مند نہ ہوں۔ ہم کہیں نہیں بھاگیں گے صرف بتا دیجیے کہ ہم کہاں پہنچ جائیں۔ ہم خود پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ تمام قیدی وعدے کے مطابق بغیر کسی کی نگرانی کے مارچ کرتے ہوئے خود مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور دورانِ جنگ میں قیدی ہونے والے جنگی قیدیوں کے لیے جگہ خالی کر دی۔ جب میں نے یہ حیرت انگیز اخبار میں پڑھی تو مجرموں کی شرافت اور حب الوطنی کے جذبے کو دیکھ کر انگشت بہ

دنداں رہ گئی۔ جنگ سے پہلے ہمارے شہر خوباں میں روزانہ چوریاں اور قتل و خون کی وارداتیں وقوع پذیر ہوتی تھیں مگر جنگ کے دوران میں یہ تمام جرائم ختم ہو گئے۔ جی چاہتا ہے یہاں میں اپنے چوری پیشہ ہم وطنوں کو مخاطب کر کے کہوں کہ اے میرے وطن کے شریف طبیعت چورو! قوم تمھاری بھی شکر گزار ہے کہ تم نے جنگ کی اندھیری راتوں میں کسی کے گھر میں ناجائز طریق پر گھس کر اس کی کوئی چیز نہ چرائی۔ تمھارا یہ احسان ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ اے چور بھائیو! اپنے وطن کی جنگ کے پُر آشوب زمانے میں تم نے اپنی شرافت کا ثبوت دیا۔ میری التجا ہے کہ اختتامِ جنگ پر امن کے خوشگوار زمانے میں بھی تم اپنا اخلاق بلند رکھو اور یہ ثابت کر دکھاؤ کہ پاکستان وہ مقدّس ملک ہے جہاں رات کے وقت گھروں کے دروازے درِ امید کی طرح وا رہتے ہیں اور کسی قسم کے کسی جرم یا چوری کی واردات نہیں ہوتی۔ تم نے دیکھا ہو گا جنگ کتنی ہولناک چیز ہوتی ہے، تم نے محسوس کیا ہو گا کہ چوری اور کمینگی کے مقابلے میں شرافت اور نیکی کا احساس کتنا سکون بخش اور کتنا لطیف ہوتا ہے۔ جنگ کے دوران تم نے جس شرافت کا ثبوت دیا امن میں اسے نباہ کر دکھاؤ۔" (۱۲)

حجاب امتیاز علی کے اس سفر نامے کی زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ رومانی ادیبوں کے ہاں جس طرح کا زبان کا شکوہ پایا جاتا ہے، وہ اس روزنامچے میں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔

اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہو گا کہ حجاب امتیاز علی کا یہ روزنامچہ ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہے جب سینوں میں رکھے ہوئے دل آئینے کی طرح شفاف ہو گئے تھے۔ لوگ سچے پاکستانی بن کر سامنے آئے تھے۔ حجاب جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں سے زیادہ فطرت کے حسن پر لکھتی ہیں، اس روزنامچے میں انسانی رویوں پر یوں روشنی ڈالتی ہیں کہ ان کے گہرے مشاہدے کی گواہی مل جاتی ہے۔ یہ روزنامچہ ہمیشہ حجاب کی امتیازی شناخت بنا رہے گا۔

"لیل و نہار"

یہ حجاب امتیاز علی کا ۲۵ مئی ۱۹۴۲ء سے ۲۸ مئی ۱۹۴۳ء تک کے دنوں کا روزنامچہ ہے۔ یہ محمدی بیگم اور بعد میں امتیاز علی تاج کی ادارت میں چھپنے والے رسالے "تہذیب النسواں" میں چھپتا رہا۔ کتابی صورت میں یہ پہلی بار

۱۹۸۸ء میں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے چھاپا۔ اس کا آخری ایڈیشن ۲۰۱۵ء میں چھپا۔ یہ روزنامچہ اگرچہ پورے ایک سال کا احاطہ کرتا ہے لیکن اصل میں یہ ۱۸۲ دنوں کا روزنامچہ ہے۔ تاریخ وار لکھا گیا یہ روزنامچہ ۲۳×۳۶ سائز پر چھاپا گیا ہے۔ جن دنوں حجاب یہ روزنامچہ لکھ رہی تھیں، وہ بہت بری طرح علیل تھیں۔ مختلف معالج ان کا علاج کر رہے تھے جن کا ذکر انھوں نے اپنے روزنامچہ میں جابجا کیا ہے۔

حجاب امتیاز علی ایک مضمون میں لکھتی ہیں:

"جس زمانے میں میں نے لیل و نہار لکھنا شروع کیا تھا ان ایام میں، میں بہت علیل اور افسردہ تھی۔ مجھے چکروں کے شدید دورے پڑتے تھے اور دورے میں یہ محسوس ہوتا رہتا تھا جیسے میں کسی کشتی میں سوار ہوں۔ اس قسم کی علامات کو نفسیاتی معالج ذہنی الجھنوں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس قسم کی ذہنی الجھن اور بیماری نے مجھے بالکل بے کار بنا رکھا تھا۔ نہ ملاقاتیں نہ کتابیں نہ افسانوں کے نئے خیال نہ گھریلو مصروفیات، تقریباً سب کچھ میرے لیے بند تھا مگر ساتھ ہی غضب یہ تھا کہ معالجوں نے مجھے اکوپیشن تھراپی (مصروفیت کے ذریعے ذہنی علاج) کا نسخہ بھی دے رکھا تھا۔ چونکہ اس زمانے میں اور کام مجھ سے ممکن نہ تھے اس لیے سب سے سہل اور دلچسپ کام یہی ایک تھا کہ دن بھر چپ چاپ اپنی اسٹڈی میں آرام سے بیٹھی روزنامچہ لکھتی رہوں۔" [۱۳]

اپنی اس بیماری کا ذکر حجاب امتیاز علی نے اپنے روزنامچے میں بہت سے مقامات پر کیا ہے۔ اس بیماری کے باوجود مسلسل لکھنا واقعی ایک کارِ دارد تھا لیکن حجاب کے شوق نے اس مشکل کام کو بھی آسان بنالیا تھا۔ بیماری کے احساس کو انھوں نے اگرچہ اپنے اوپر طاری کر رکھا تھا لیکن سچ یہ ہے کہ لکھنے کی طرف سے وہ کبھی غافل نہ ہوئیں۔ اس روزنامچے میں اپنی بیماری کا ذکر انھوں نے یوں کیا ہے۔

"صبح بری گزری۔ "ارتعاش نظری" اور کان کی آوازوں نے متوحش کر دیا۔ دل قابو سے باہر ہوا جاتا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے جب حسبِ وعدہ ڈاکٹر منجند خون کا امتحان کرنے آ گئے۔ انہوں نے خون ٹیوب میں بھرا اور اس کا رنگ دیکھتے ہی کہنے لگے کہ کان کا نقص خون کی کمی یا کسی خرابی کی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رنگ نہایت شگفتہ ہے۔ ڈاکٹر کی اس بات سے مجھے نہایت مایوسی ہوئی۔ میری تمام امیدیں خون کے نقص پر

منحصر تھیں۔ اب اگر وہ ٹھیک ہے تو یہ قطعی کان کی بیماری ہے اور بیماری بھی وہ جس کی میں نے تشخیص کی تھی۔ ڈاکٹر بشیر کی تشخیص صحیح نہ تھی۔

آج بارہ بجے خون کے امتحان کے لیے ڈاکٹر منچندہ آئے۔ ڈاکٹر بشیر کی ہدایت کے مطابق Red Cell Count کے لیے خون نکالا گیا۔ ڈاکٹر منچندہ کی خون کے امراض کے ماہر ہیں۔"(۱۴)

اپنی بیماری کے بارے میں ایک اور جگہ انھوں نے یوں لکھا۔

" کل سے میں نے ڈاکٹر جے چند کا علاج چھوڑ دیا۔ ان کی دواؤں کے دوران میری طبیعت زیادہ بے چین رہی۔ آج سکون سا ہے۔ ۱۱بجے ڈاکٹر محمد افضل مجھے دیکھنے آ گئے۔ میں نے ان کو تاکید کی ہے کہ وہ ہفتہ بھر تو میرے مرض کے متعلق کتابیں پڑھیں اور جب انھیں کسی بات کا سراغ لگ جائے تو ٹیلی فون پر مجھے مطلع فرمائیں اور پھر جب میں ان کی تشخیص سے مطمئن ہو جاؤں تو نسخہ تجویز کریں۔ چنانچہ انہوں نے غور و مطالعہ کا وعدہ کر لیا اور میری تمام علامات کی فہرست اک کاغذ پر بنا کر لے گئے ہیں۔"(۱۵)

حجاب کا یہ روزنامچہ "تہذیب النسواں" میں چھپا تو اہلِ ادب میں یہ بہت مقبول ہوا۔ حجاب کو ہر روز "تہذیبِ نسواں" کے باقاعدہ قارئین کی طرف سے تعریفی خط ملتے۔ اس روزنامچے کے بعض مقامات پر انھوں نے یہ خط ملنے کا ذکر بہت خوشی اور سرشاری کے عالم میں کیا ہے۔ اپنے ایک مضمون میں بھی انھوں نے ان خطوط کے بارے میں یوں لکھا۔

" اسے پڑھ کر خریدارانِ تہذیبِ نسواں نے بہت سراہا اور مجھ پر خطوط کی بارش کر دی۔ مجھے کافی تعجب ہوا۔ اس لیے کہ یہ روزنامچہ جس کا نام میں نے "لیل و نہار" رکھا تھا، بے حد سادہ ہوا کرتا تھا۔ آخر لوگوں کو اس میں اتنی دلچسپی کی کون سی بات پر نظر آئی۔ تاہم میں عنایت فرماؤں کی اس محبت کی بے حد شکر گزار ہوئی اور ان کے اصرار پر یہ "تہذیب نسواں" میں چند مہینے مسلسل شائع ہوتا رہا۔"(۱۶)

جو بات حجاب امتیاز علی کی سمجھ میں نہیں آئی وہ دراصل یہ تھی کہ یہ ایک ایسی ادیبہ کا روزنامچہ تھا جس کا تعلق معاشرے کی اعلیٰ کلاس سے تھا جسے اشرافیہ کہا جاتا ہے۔ عام لوگ اشرافیہ کی زندگی کو بہت غور سے دیکھتے ہیں۔ اس روزنامچے میں جب حجاب نے اپنے معمولات درج کیے تو وہ دراصل ان کی شخصی زندگی کا آئینہ تھا۔ اس روزنامچے سے آپ حجاب کی شخصیت کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں۔ ان کی آپ بیتی یا سوانح مرتب کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو پہلی بار پتا چلا کہ وہ خاتون جو کبھی حجاب اسمٰعیل کے نام سے لکھتی تھی اور اب حجاب امتیاز علی کے نام سے معروف ہے، کس ماحول میں کس طرح کی زندگی گزارتی ہے۔ حجاب کے معمولات عام لوگوں سے کچھ ملتے جلتے تھے اور کچھ مختلف تھے۔ مثلاً عام لوگوں کی طرح وہ بھی بیمار ہوتی تھیں لیکن الگ یہ تھا کہ انھیں اپنی بیماری کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کا علاج کون کر سکتا ہے۔ عام لوگوں کی طرح وہ بھی مطالعے کی شوقین تھیں لیکن وہ زیادہ تر انگریزی اور فرانسیسی ادیبوں کی کتابیں پڑھتی تھیں اور ان کے نام بھی اس روزنامچے میں درج کرتی جاتی تھیں۔ کبھی کبھی ایک آدھ سطر میں ان پر تبصرہ بھی کر دیتی تھیں۔ عام لوگوں کی طرح وہ فلم دیکھنے کی شوقین تھیں لیکن ان کا معیار اس سلسلے میں خاصا بلند تھا۔ وہ زیادہ تر غیر ملکی فلمیں دیکھنے کی شوقین تھیں جن میں زیادہ تر پر اسرار کرداروں پر مشتمل فلمیں ہوا کرتی تھیں۔ خوف ناک فلمیں انھیں بہت پسند تھیں۔ وہ اپنے روزنامچے میں تسلسل سے بتاتی جاتی تھیں کہ آج انھوں نے بیسویں فلم دیکھی یا اکیسویں فلم دیکھی۔ یہ انہماک اور شوق کم لوگوں میں ہوتا ہے۔ اپنے شوہر کے ساتھ وہ شطرنج کھیلتیں اور اپنی بیٹی کے ساتھ لڈو۔ اپنے ان مشاغل کا وہ جابجا ذکر کرتی ہیں۔ حجاب امتیاز علی لکھتی ہیں:

> "ساڑھے تین بجے میں۔ ت اور م 'Blood and Sand' دیکھنے گئے۔ بہترین فلم ہے۔ پہلا فلم ہے جو میں نے دوبارہ دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ حسن کو تکنا حُسن کو زائل کر دیتا ہے۔ ایک منظر بہت خوابناک تھا۔ فوارے کے شبنمی قطروں کے پس منظر میں شطرنج کے آتشی رنگ مہرے دہک رہے تھے اور ہسپانوی رقاصہ رُباب پر عشقیہ غزل گا رہی تھی۔ لوگوں کے اژدہام نے دم گھونٹ دیا اور مشکل سے سیٹ مل سکی۔ واپس آتے ہی غروب آفتاب کا منظر دیکھا اور یاسمین کے ساتھ باہر چلی گئی۔
> آج لیڈی ذ، کا قاصد نہیں آیا۔ نہ معلوم کیا بات ہے!" (۱۷)

ایک اور جگہ انھوں نے بیماری کے باوجود فلم دیکھنے کا اقرار یوں کیا۔

"دن گرم رہا اور میں نہایت مضمحل اور مایوس! رات کے کھانے کے بعد، ت اور میں باوجود انتہائی اِضمحلال کے پونے دس بجے کے شو میں پلازا چلے گئے۔ جہاں "لائف بگنس وتھ اینڈی ہارڈی" فلم دیکھا۔ یہ میرا چوبیسواں فلم۔ انٹرول تک طبیعت کچھ اچھی نہ تھی۔ کان میں شور تھا جیسے کوئی فرشتہ زندگی کا المناک راگ سرگوشی میں کہہ رہا ہو! انٹرول کے بعد طبیعت کسی قدر سنبھلی۔ واپسی میں چاند اپنے پورے شباب پر تھا۔ رات نہایت حسین ہوگئی تھی۔ سڑکیں سنسان تھیں اور کائنات کسی سوچ میں مستغرق۔"[۱۸]

حجاب کا یہ روزنامچہ فطرت نگاری کی بھی بہترین مثال ہے۔ وہ فطرت کی محبت میں یوں گرفتار ہیں کہ بیماری کے عالم میں بھی مظاہر فطرت کی طرف لپکی جاتی تھیں۔ وہ سکوتِ لالہ وگل سے کلام پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ زندگی کی مصروفیات سے وہ زندگی میں جابجا بکھرے ہوئے فطری حسن سے ہم کلام ہونے کے لیے بطورِ خاص وقت نکالتی تھیں۔ فطرت سے ہم کلامی کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

"دوپہر کی ڈاک سے ن۔ س لکھنؤ کا محبت نامہ آیا اور میں نے جواب گھبرا کر دیدیا۔ گھبرا کر س لیے کہ انہیں مجھ سے ملنے کے لیے ایک عالیشان اور ہلکے سبز رنگ کے سازوسامان سے مزین کمرے کی ضرورت محسوس ہورہی ہے۔۔۔۔ سالہاسال کی محبت کے بعد میرے متعلق ان کی یہ غلط فہمی؟ کہ میں محض سجے سجائے رنگین کمروں ہی میں مسرور رہ سکتی ہوں! ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کی میں نے بہت کوشش کی اور لکھا کہ مجھے ان سے کسی ننھی ندی کے ویران کنارے پر مل کر بھی اتنی ہی مسرت اور تسکین حاصل ہوسکتی ہے۔ جتنی کسی آراستہ و پیراستہ حسین سبز کمرے! آسمان کی لامحدود نیلی چھت اور سنہری زمین کا پاکیزہ فرش! اس سے حسین اور رنگین کمرہ شاید مصور کا تخیل بھی نہیں سوچ سکتا۔ بائرن نے ایک نظم میں کیا کہا ہے کہ وہ ویران جنگلوں کے ناتمام خاموش راستوں پر ایک انجمن محسوس کرتا ہے!"[۱۹]

حجاب کے اس روزنامچے میں ایک ادیب کی ویسی ہی تصویر نظر آتی ہے جیسی وہ ہونی چاہیے۔ اس میں انھوں نے جابجا لکھا ہے کہ آج انھیں کس کس ادیب کی طرف سے لکھا ہوا خط ملا؟ کون سا ادیب انھیں ملنے گھر آیا؟ کس

ادبی تقریب میں انھوں نے شرکت کی؟ کون سی کتاب انھوں نے پڑھی؟ گویا وہ اپنی ادبی شخصیت کے سارے پہلو درج کرتی جاتی ہیں۔ ان کے شخصی خدوخال جاننے کے لیے اس روزنامچے سے بہتر مآخذ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ذرا ملاحظہ کیجیے کہ وہ اپنی ادیبانہ مصروفیات کا کس طرح ذکر کرتی ہیں۔

" آج میں تمام دن مصروف رہی۔ صبح ہی ارادہ کر لیا تھا کہ تمام دن کام کروں گی۔ دو افسانوں کی ابتدا کی۔ ایک ضروری خط لکھا۔ لائبریری سے لائی ہوئی کتابوں میں سے اپنے لیے کتابیں منتخب کیں۔ ایک مضمون تیار کر کے ڈاک کے حوالے کیا۔
لنچ کے بعد مشرقی کمرے میں پنکھا کھول کر لکھنے میں مصروف ہو گئی۔ ارادہ تھا شام تک کام کروں گی۔ مگر کوئی ڈھائی بجے کے قریب ایک کوئل نے زور زور سے کوکنا شروع کر دیا۔ پنجاب کے گلستانوں میں کوئل شاذونادر ہی کوکتی ہے۔ کیوں کہ یہاں امریوں کی کمی ہے۔ اس لیے میں تہیّہ کر لیا کہ کام بند کر کے کوئل کی کوک سنوں گی۔ پھر خیال آیا اگر کہیں کوئل زور زور سے چلانے لگے۔ پھر کیا ہوا؟ اس لیے صرف دس منٹ دریچی میں چپ چاپ بیٹھ کر اس کی کوک سنتی رہی پھر لکھنے بیٹھ گئی۔ تاہم اس کی چیخوں نے کام میں خلل اندازی شروع کر دی تھی۔"(۲۰)

کسی ادیب کی زندگی اس سے مختلف ہرگز نہیں ہو سکتی، جیسی حجاب نے بیان کی ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور مثال دیکھیے۔

"کمروں کی صفائی کے بعد میں ایک دریچے میں جا کھڑی ہوئی اور لحہ بہ لحہ متاثر ہوتی گئی۔ کیوں۔۔۔۔؟ بلاوجہ! زندگی کچھ بے کیف سی ہوتی جا رہی ہے۔ اک تو علالت۔ اس پر مستزاد گرمیوں کے یہ ویران اور طویل دن! نہ شام کے بلاوے! نہ شام کی لمبی لمبی ملاقاتیں۔ تاہم شام کے قریب میں کافی سنبھل گئی۔ بلکہ دو ایک مرتبہ بلاوجہ مسکرا پڑی تھی۔ لیڈی ذ، کو خط لکھا اور پھر باغ کے آخری حصے میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر میں Games کی ایک نفسیاتی کتاب پڑھنے لگی۔ کیا پڑھا؟ "Self"۔۔۔ یعنی!!؟ اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش۔ اس کی علمی بحث نے مجھے خوفزدہ سا کر دیا اور مدہوش بھی! میں اس موضوع کو نظر انداز کر دینا چاہتی تھی۔ اپنے آپ کو پہچاننا! کس قدر بے

کیف اور بھیانک حرکت ہے!! میں اپنے آپ سے اجنبی رہنا چاہتی ہوں۔ جب میں نے کتاب رکھی۔ تو چراغ جل چکے تھے۔"(۲۱)

روزنامچہ لکھتے ہوئے حجاب امتیاز علی کہیں کہیں ایک فلسفی کے روپ میں سامنے آتی ہیں۔ وہ زندگی اور موت کے مشکل اور پیچیدہ فلسفے کی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کرنے لگتی ہیں۔ دوزخ اور جنت پر غور کرنے لگتی ہیں۔ وہ کہیں کہیں تشکیک کا شکار ہوتی ہیں لیکن جب وہ کبھی کبھی قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے کا ذکر کرتی ہیں تو ان کا شک یقین اور ایمان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہ فلسفیانہ گتھیاں کس طرح سلجھانے کی کوشش کرتی ہیں ملاحظہ کیجیے

"دن کا بیشتر حصہ میں نے باغ میں Barret کی ایک نفسیاتی کتاب پڑھنے میں صرف کیا۔ ماہرینِ نفسیات کہتے ہیں کہ بچے کے تخیل میں جنت بسی ہوتی ہے۔ اس کے تخیّلات میں صرف جنت روشنی اور ولولے سانس لے رہے ہیں۔ اس لیے اس کے آگے دوزخ، تاریکی افسردگی کا ذکر کرنا جہالت ہے۔ خدا اس کے خیال میں رحیم و کریم ہستی ہے۔ جبار و قہار نہیں ہے۔ چنانچہ بچے کے آگے خدا کو جبّار و قہار نہ کہو۔ نہ یہ کہو کہ اس کے کسی گناہ یا غلطی پر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اسے جُھلس سکتی ہے۔ اس سے بچے کا انداز فکر تبدیل ہو جاتا اور وہ عمر بھر کے لیے قنوطی بن جاتا ہے۔ میں دیر تک اس پر غور کرتی رہی۔ بلکہ مجھے کتاب کی یہ سطور اتنی دلفریب معلوم ہوئیں کہ میں نے دوبارہ پڑھیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ دینیات کے عالم کہتے ہیں کہ بچے کو شروع ہی سے دوزخ جنت سے متعارف کراؤ تا کہ خدا کا خوف زندگی کے ہر قدم پر ان کے ساتھ چلے اور وہ متقی اور نیک ہوں! کون سچا ہے؟ عالموں کی باتیں عالم ہی جانیں۔"(۲۲)

حجاب جانتی ہیں کہ دوسری کی زندگیوں میں جھانکنا اخلاقی لحاظ سے کسی بھی طرح درست نہیں۔ اس لیے وہ زیادہ تر اپنے ہی بارے میں لکھتی ہیں۔ وہ بہت سے لوگوں کے ناموں کا پہلا حرف لکھتی ہیں، مثلاً "ت" "ح" "ذ" یا "ع" البتہ اپنی بیٹی یاسمین کا وہ پورا نام لکھتی ہیں۔

"لیل و نہار" میں حجاب امتیاز علی جگہ جگہ شعروں کی پیوند کاری کرتی ہیں۔ ان شعروں سے پتا چلتا ہے کہ وہ نہایت عمدہ ذوق سخن کی مالک تھیں۔ شاید موزوں طبع بھی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا درج کیا ہوا ہر شعر جہاں مضمون کے اعتبار سے اچھوتا ہوتا ہے وہاں اس میں وزن کی بھی کوئی خامی نہیں ہوتی۔ ہمارے بیش تر نثر نگار اس خوبی

سے عاری ہوتے ہیں لیکن حجاب کا شاعرانہ ذوق اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے اندر کہیں ایک شاعر چھپا ہوا تھا۔ البتہ صفحہ نمبر ۵۶ پر درج ایک شعر انھوں نے بھی بعض دوسرے لوگوں کی طرح اصل شاعر کے بجائے غالؔب کے سر منڈھ دیا ہے۔ یہ شعر اصل میں یوں ہے۔

تنگ دستی اگر نہ ہو سالؔک
تن درستی ہزار نعمت ہے

یہ شعر ایک غیر معروف شاعر قربان علی بیگ سالک کا ہے لیکن حجاب نے اسے غالب کو بخش دیا ہے۔ اس روزنامچے میں درج ذیل اشعار استعمال ہوئے ہیں۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
غم آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مری ہمتوں کی پستی مرے شوق کی بلندی
ہزار بار قیامت گزر گئی ہم پر
مگر ہنوز شب انتظار باقی ہے
وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبطِ راز تھا
چہرے سے اپنے شورشِ پنہاں عیاں ہے اب
گردش سے تھی غرض تو بنانا تھا جامِ مَے
انساں بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی
"کس سے کہیں ہم اپنی المناکیٔ حیات؟
اک عمر سو گوار وفا بھی رہے ہیں ہم"
گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
تنگ دستی اگر نہ ہو غالؔب
تندرستی ہزار نعمت ہے

ہاتھ اٹھا کر ہمیں تم ایسی ادا سے کوسو
دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ دعا دیتے ہیں
تشخیص طبیباں پہ ہنسی آتی ہے حسرت!
یہ دردِ جگر ہے کہ دوا میرے لیے ہے
تھی دن کو خوشی کہ اب ہوئی رات
تھی شب کو مسرت اب ہوا دن!
اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے
اے حیات دورزہ لے آئی
کن گرفتاریوں میں تو مجھ کو
بھاڑ میں جائیں ایسے لیل ونہار
آگ تاپے کہاں تلک انساں
آہٹ پہ کان در پہ نگہ دل میں اشتیاق
کچھ عادت سی ہو گئی ہے ہمیں انتظار کی
اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
چھڑ گئی جب جمالِ یار کی بات
ختم تا دیر سلسلہ نہ ہوا
تم جفا کار تھے کرم نہ کیا
میں وفادار تھا خفا نہ ہوا
بہت چین سے دن گزرتے ہیں حالیؔ
کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے
عشق یا حُسن کون ہے غالب؟

آج تک اس کا فیصلہ نہ ہوا
ترا غرور، مرا عجز تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی آخر اک انتہا تو ہے
مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم
میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا
زندگی نام رکھ دیا جس نے
موت کا انتظار ہے دنیا(۲۳)

کچھ مزید روزنامچے:

"موم بتی کے سامنے" اور "لیل ونہار" کے علاوہ حجاب امتیاز علی کتنی ہی ڈائریاں ابھی غیر مطبوعہ پڑی ہیں جو ان کی بیٹی یاسمین طاہر اور داماد نعیم طاہر کے پاس محفوظ ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے حجاب امتیاز علی کی غیر مطبوعہ تخلیقات پر مشتمل ایک کتاب "حجاب کتاب" کے نام سے چھاپی ہے جس میں ۲ جون ۱۹۴۳ء سے ۲۶ اگست ۱۹۸۲ء تک کے منتخب روزنامچے بھی شامل ہیں۔ ان روزنامچوں کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے ابھی حجاب کے بہت سے روزنامچے سامنے آنا باقی ہیں۔ جو بہت سے حقائق سے پردہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کتاب میں شامل ایک روزنامچے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امتیاز علی تاج کو خنجر سے قتل کرنے والا کون تھا۔

حجاب امتیاز علی لکھتی ہیں:

> " آج میرے مظلوم اور شہید ٹی کو جدا ہوئے ۲۶ دن گزر گئے۔ پولیس مجرم کو نہ پکڑ سکی جبکہ میرا خیال ہے قاتل جارج تامس کا بیٹا ہے جو تین سال سے میرے کوارٹروں میں چھپا رہا اور پست آواز سے بات کیا کرتا تھا۔"(۲۴)

یہ روزنامچہ ۱۴ مئی ۱۹۷۰ء کا ہے۔ ۱۹۷۸ء اور اس کے بعد کے روزنامچوں میں حجاب کے بنائے ہوئے ادبی حلقے "من و سلویٰ" کی مختصر رودادیں ملتی ہیں اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ "من و سلویٰ" کے اجلاسوں میں کون کون سے ادیب اور شاعر شریک ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۸۲ء تک کے روزنامچے چھپ گئے تو معلومات کے بہت سے

دروازے کھلیں گے اور ممکن ہے کہ اردو کے ابتدائی روزنامچہ نگار مظہر علی سندیلوی کا ریکارڈ بھی ٹوٹ جائے۔ ان کا اردو روزنامچہ ۱۸۸۷ء میں شروع ہوا اور ۱۹۱۰ء میں ختم ہوا اور یہ ۷۷۹۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ گویا وہ مسلسل ۲۳ برس تک روزنامچہ لکھتے رہے جبکہ حجاب کا روزنامچہ نگاری کا سفر بادی النظر میں ۱۹۴۲ء میں شروع ہوا اور ۱۹۸۲ء میں ختم ہوا۔ کم از کم مطبوعہ ریکارڈ یہی کہتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ۱۹۸۲ء کے بعد بھی روزنامچہ لکھتی رہی ہوں۔ لیکن ۱۹۸۲ء تک بھی چالیس برس کا عرصہ بنتا ہے۔ مظہر علی سندیلوی کا روزنامچہ ادبی چاشنی سے خالی ہے لیکن حجاب کا روزنامچہ ادبی اسلوب سے مزین ہے۔ اگر یہ سارے روزنامچے چھپ جائیں تو حجاب امتیاز علی اردو روزنامچہ نگاری میں ہر طرح کی اولیت کی حق دار ہوں گی۔

حوالہ جات

۱۔ امتیاز علی تاج (۱۹۹۳ء)، دیباچہ "موم بتی کے سامنے" مشمولہ "صنوبر کے سائے"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۱۱۹

۲۔ امتیاز علی تاج(۱۹۹۳ء)، دیباچہ "موم بتی کے سامنے" "مشمولہ "صنوبر کے سائے"، لاہور، سنگِ میلپبلی کیشنز، ص:۱۲۰،۱۱۹

۳۔ شاہد احمد دہلوی(۱۹۹۳ء)، مشمولہ دیباچہ "موم بتی کے سامنے" "مشمولہ "صنوبر کے سائے"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۱۲۰،۱۲۱

۴۔ امتیاز علی تاج (۱۹۹۳ء)، دیباچہ "موم بتی کے سامنے" مشمولہ "صنوبر کے سائے"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۱۲۱

۵۔ حجاب امتیاز علی(۱۹۹۳ء)، "موم بتی کے سامنے"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۱۵۴،۱۵۵

۶۔ محمد ایوب خان(۱۹۹۳ء)، خطاب مشمولہ "موم بتی کے سامنے"، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص:۱۲۲

۷۔ حجاب امتیاز علی(۱۹۹۳ء)، "موم بتی کے سامنے"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۱۲۳، ۱۲۴

۸۔ حجاب امتیاز علی(۱۹۹۳ء)، "موم بتی کے سامنے"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۱۲۵

۹۔ حجاب امتیاز علی(۱۹۹۳ء)، "موم بتی کے سامنے"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۱۲۷

۱۰۔ حجاب امتیاز علی(۱۹۹۳ء)، "موم بتی کے سامنے"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص:۱۳۴

۱۱۔ حجاب امتیاز علی(۱۹۹۳ء)، "موم بتی کے سامنے"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۱۲۴، ۱۲۷، ۱۴۹، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۹، ۱۹۳

۱۲۔ حجاب امتیاز علی(۱۹۹۳ء)، "موم بتی کے سامنے"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۱۹۰، ۱۹۱

۱۳۔ حجاب امتیاز علی(۱۹۴۶ء)، "کچھ روزنامچہ لیل و نہار کے بارے میں" مطبوعہ "تہذیب النسواں"، لاہور، دارالاشاعت پنجاب، ص: ۲۱۴

۱۴۔ حجاب امتیاز علی(۲۰۱۵ء)، "لیل و نہار"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۳۹

۱۵۔ حجاب امتیاز علی(۲۰۱۵ء)، "لیل و نہار"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۷۰

۱۶۔ حجاب امتیاز علی(۱۹۴۶ء)، "کچھ روزنامچہ لیل و نہار کے بارے میں" مطبوعہ "تہذیب النسواں"، لاہور، دارالاشاعت پنجاب، ص: ۲۱۵

۱۷۔ حجاب امتیاز علی(۲۰۱۵ء)، "لیل و نہار"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۹

۱۸۔ حجاب امتیاز علی(۲۰۱۵ء)، "لیل و نہار"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۴۸

۱۹۔ حجاب امتیاز علی(۲۰۱۵ء)، "لیل و نہار"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۸۲، ۸۳

۲۰۔ حجاب امتیاز علی(۲۰۱۵ء)، "لیل و نہار"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۵

۲۱۔ حجاب امتیاز علی(۲۰۱۵ء)، "لیل و نہار"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۱۵

۲۲۔ حجاب امتیاز علی(۲۰۱۵ء)، "لیل و نہار"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۸، ۹

۲۳۔ حجاب امتیاز علی(۲۰۱۵ء)، "لیل و نہار" لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۱۲، ۱۹، ۲۷، ۳۴، ۳۴، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۴، ۵۶، ۶۰، ۶۵، ۶۶، ۱۱۱، ۱۲۰، ۱۲۶، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۰، ۱۵۱

۲۴۔ حجاب امتیاز علی(۲۰۰۶ء)، "حجاب کتاب"، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۳۱۲